ضمیمہ

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور سر سیدؒ

[مولانا محمد قاسمؒ اور سر سید احمد خاں نے دو مختلف قسم کے تعلیمی اداروں کی بنیاد ڈالی۔ ان کے مابین بعض دینی خیالات اور رجحانات کے متعلق بعد المشرقین تھا لیکن ذیل کے صفحات میں ہم مولانا محمد قاسمؒ کے متعلق سر سید کا وہ مضمون درج کرتے ہیں جو انھوں نے مولانا کی وفات پر تہذیب الاخلاق میں لکھا۔ اس سے جہاں مولانا کی بے شمار خوبیوں پر روشنی پڑتی ہے، وہاں سر سید کی انصاف پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور پتا چلتا ہے کہ قوم کے یہ محسن کس پائے کے تھے۔]

افسوس ہے کہ جناب ممدوح حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے ۱۵۔اپریل ۱۸۸۰ء کو ضیق النفس کی بیماری میں بمقام دیوبند انتقال فرمایا۔ زمانہ بہتوں کو رو دیا ہے اور آئندہ بھی بہتوں کو روئے گا لیکن ایسے شخص کے لیے رونا جس کے بعد اُس کا کوئی جانشین نظر نہ آوے نہایت رنج و غم اور افسوس کا باعث ہوتا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ دلّی کے علماء میں سے بعض لوگ جیسے کہ اپنے علم و فضل اور تقویٰ و ورع میں معروف و مشہور تھے۔ ایسے ہی نیک مزاجی اور سادہ وضعی اور مسکینی میں بے مثل تھے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ بعد جناب مولوی اسحاق کے کوئی شخص اُن کی مثل ان تمام صفات میں پیدا ہونے والا نہیں ہے۔ مگر مولوی محمد قاسم مرحوم نے اپنی کمال نیکی اور دینداری اور تقویٰ اور ورع اور مسکینی سے ثابت کر دیا کہ اس دلّی کی تعلیم و تربیت کی بدولت مولوی محمد اسحاق صاحب کی مثل ایک اور شخص کو بھی خدا نے پیدا کیا ہے بلکہ چند باتوں میں ان سے زیادہ ہے۔

ابھی بہت سے لوگ زندہ ہیں جنھوں نے مولوی محمد قاسم صاحب کو نہایت کم عمری میں دلّی میں تعلیم پاتے دیکھا ہے۔ انھوں نے جناب مولوی مملوک علی صاحب سے تمام کتابیں پڑھی تھیں۔ ابتدا ہی سے آثار تقویٰ اور ورع اور نیک بختی اور خدا پرستی کے اُن کے اوضاع اور اطوار سے نمایاں تھے اور یہ شعر اُن کے حق میں بالکل صادق تھا ؎

بالائے سرش ز ہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

زمانہ تحصیل علم میں جیسے کہ وہ ذہانت اور عالی دماغی اور فہم و فراست میں معروف و مشہور تھے ویسے ہی نیکی اور خدا پرستی میں بھی زبان زد اہلِ فضل و کمال تھے۔ اُن کو جناب مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی کی صحبت نے اتباعِ سُنّت پر بہت زیادہ راغب کر دیا تھا اور حاجی امداد اللہؒ کے فیضِ صحبت نے اُن کے دل کو ایک نہایت عالی رتبہ کا دل بنا دیا تھا۔ خود بھی پابندِ شریعت تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی پابندِ سُنّت و شریعت کرنے میں زائد از حد

کوشش کرتے تھے۔ بایں ہمہ عام مسلمانوں کی بھلائی کا اُن کو خیال تھا۔ اُن ہی کی کوشش سے علومِ دینیہ کی تعلیم کے لیے نہایت مفید مدرسہ دیوبند میں قائم ہُوا اور ایک نہایت عمدہ مسجد بنائی گئی۔ علاوہ اس کے اور چند مقامات میں بھی اُن کی سعی و کوشش سے مسلمانی مدرسے قائم ہوئے۔ وہ کچھ خواہش پیر و مُرشد بننے کی نہیں کرتے تھے۔ لیکن ہندوستان میں اور خصوصاً اضلاع شمال و مغرب میں ہزار ہا آدمی اُن کے مُعتقد تھے اور اُن کو اپنا پیشوا و مقتدا جانتے تھے۔

مسائل خلافیہ میں بعض لوگ اُن سے ناراض تھے اور بعضوں سے وہ ناراض تھے مگر جہاں تک ہماری سمجھ ہے ہم مولوی محمد قاسم مرحوم کے کسی فعل کو خواہ کسی سے ناراضی کا ہو۔ خواہ کسی سے خوشی کا ہو۔ کسی طرح ہوائے نفس یا ضد یا عداوت پر محمول نہیں کر سکتے۔ اُن کے تمام کام اور افعال جس قدر کہ تھے بلاشبہ للّٰہیت اور ثواب آخرت کی نظر سے تھے اور جس بات کو وہ حق اور سچ سمجھتے تھے اُس کی پیروی کرتے تھے۔ اُن کا کسی سے ناراض ہونا صرف خدا کے لیے تھا اور کسی سے خوش ہونا بھی صرف خدا کے واسطے تھا۔ کسی شخص کو مولوی محمد قاسم صاحب اپنے ذاتی تعلقات کے سبب اچھا یا بُرا نہیں جانتے تھے۔ مسئلہ حُبّ للّٰہ اور بُغض للّٰہ خاص اُن کے برتاؤ میں تھا۔ اُن کی تمام خصلتیں فرشتوں کی سی خصلتیں تھیں۔ ہم اپنے دل سے اُن کے ساتھ محبت رکھتے تھے اور ایسا شخص جس نے ایسی نیکی سے اپنی زندگی بسر کی ہو بلاشبہ نہایت محبت کے لائق ہے۔

اس زمانے میں سب لوگ تسلیم کرتے ہوں گے کہ مولوی محمّد قاسم اِس دُنیا میں بے مثل تھے۔ اُن کا پایہ اِس زمانے میں شاید معلوماتی علم میں شاہ عبدالعزیز سے کچھ کم ہو۔ الاّ اور تمام باتوں میں ان سے بڑھ کر تھا۔ مسکینی، نیکی اور سادہ مزاجی میں اگر اُن کا پایہ مولوی اسحاق سے بڑھ کر نہ تھا تو کم بھی نہ تھا۔ وہ درحقیقت فرشتہ سیرت اور ملکوتی خصلت کے شخص تھے۔ اور ایسے آدمی کے وجود سے زمانے کا خالی ہو جانا اُن لوگوں کے لیے جو ان کے بعد زندہ ہیں نہایت رنج اور افسوس کا باعث ہے۔

افسوس ہے کہ ہماری قوم بہ نسبت اس کے کہ عملی طور پر کوئی کام کرے زبانی عقیدت اور ارادت بہت زیادہ ظاہر کرتی ہے۔ ہماری قوم کے لوگوں کا یہ کام نہیں ہے کہ ایسے شخص کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد صرف چند کلمے حسرت اور افسوس کے کہہ کر خاموش ہو جائیں۔ یا چند آنسو آنکھ سے بہا کر اور رومال سے پونچھ کر چہرہ صاف کر لیں بلکہ ان کا فرض ہے کہ ایسے شخص کی یادگار کو قائم رکھیں۔

دیوبند کا مدرسہ اُن کی ایک نہایت عُمدہ یادگار ہے اور سب لوگوں کا فرض ہے کہ ایسی کوشش کریں کہ وہ مدرسہ ہمیشہ قائم اور مستقل رہے اور اُس کے ذریعے سے تمام قوم کے دل پر ان کی یادگاری کا نقش جمار ہے ✤